

مغرب میں اسلام کی دعوت

مولانا ابوالیث اصلاحی ندویؒ

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

محترم امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی کو برطانیہ کی معروف اسلامی تنظیم یو۔ کے۔ اسلامک مشن کی بیسویں سالانہ کانفرنس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا۔ مشن کے چار روزہ کانفرنس منعقدہ برمنگھم ۲۶ تا ۲۹ اگست ۱۹۸۳ء میں مولانا محترم نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے ۲۷ اگست کو جو مقالہ پیش کیا تھا، اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ اس کی اصل اہمیت و افادیت یورپ کے داعیان تحریک اسلامی کے لیے ہی ہے، لیکن ایک غیر مسلم ماحول میں بن کے تعارف اور اس کی سر بلندی کی جدوجہد کرنے والے قافلے کے لیے اس میں جو ہدایت و رہنمائی ہے، اس کی کارکنان تحریک اسلامی ہند اور اس ملک میں دین کی خدمت میں مصروف یا اس کا جذبہ رکھنے والے برادران ملت کے لیے بھی بہت نشان راہ موجود ہیں۔ امید ہے ان تمام حضرات کے لیے یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔

انتظار نعیم
۱۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء

مرکز جماعت اسلامی ہند
بازار چتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۶

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ
الْأُمَمِينَ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ.

جناب صدر، بزرگو، دوستو، بھائیو اور بہنو!
سب سے پہلے میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسے حضرات
سے ملاقات اور گفتگو کا موقعہ عنایت فرمایا جو نہ صرف یہ کہ دین کا گہرا علم رکھتے ہیں بلکہ اس کی
دعوت و اشاعت کے مبارک کام میں بھی سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ
میں یو۔ کے اسلامک مشن کے ذمہ داروں، خاص طور سے اس کے صدر برادر م جناب رشید احمد صدیقی
کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جن کی عنایت سے مجھے یہ زریں موقعہ نصیب ہوا۔

دعوتِ دین کی اہمیت

مجھے اس نشست میں جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے :
”مغرب میں اسلام کی دعوت“

جہاں تک دعوتِ دین کی اہمیت کا تعلق ہے اس سے آپ حضرات پہلے ہی سے بخوبی
واقف ہیں، تاہم اصل موضوع پر گفتگو سے پہلے میں بطور یاد دہانی ان چند آیتوں کا سرسری
حوالہ دے دینا مناسب سمجھتا ہوں جن سے دعوتِ دین کی اہمیت پوری طرح نمایاں
ہو سکتی ہے۔

● كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ۲: ۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو۔ لوگوں کی رہنمائی کے لیے مبعوث کیے گئے ہو، معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت ہونے کا جو شرف عطا فرمایا ہے، وہ اس کے کسی خاص نسل و نسب یا قومیت سے تعلق رکھنے کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ ایمان باللہ کے ساتھ مشروط ہے، اور آیت کا آخری لفظ ”تؤمنون باللہ“ جہاں یہ اشارہ کر رہا ہے کہ اسلام کی اصل بنیاد اللہ پر ایمان ہے وہیں اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معتبر ہے جو ایمان باللہ کے ساتھ ہو۔

● وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونَ

الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (بقرہ ۲: ۱۴۳)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں سچ کی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔

یہ آیت واضح طور سے اشارہ کر رہی ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ وہ خلق خدا پر اللہ کے دین کی گواہی دیں اسی طرح امت مسلمہ بھی بحیثیت امت اس کی مکلف قرار دی گئی ہے کہ خلق خدا پر اس دین کی گواہی دے۔ مذکورہ بالا دونوں آیتوں کی یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان دونوں آیتوں میں

”الناس“ (اخرجت للناس، شهداء علی الناس) کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے اس بات

کی طرف واضح اشارہ کل رہا ہے کہ امت مسلمہ کے اس فرض منصبی کا تعلق عامۃ الناس سے ہے خواہ وہ کہیں کے ہی رہنے والے ہوں اور کسی بھی قوم اور قبیلے سے ان کا تعلق ہو۔

یہ دینِ حق، جس کی شہادت کی ذمہ داری امتِ مسلمہ پر عائد کی گئی ہے وہ اس ربِّ کائنات کا بھیجا ہوا دین ہے جس کی ربوبیت عالمگیر ہے اور اس میں مشرق اور مغرب اور شمال و جنوب کی کوئی قید و تخصیص نہیں ہے، اور اسی لیے خود قرآن مجید میں اس کو "رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" اور "رَبُّ الْعَالَمِينَ" کہا گیا ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ دین اپنی آخری اور مکمل شکل میں نازل ہوا تھا وہ خود قرآن کی تصریح کے مطابق کسی خاص گروہ یا قوم و قبیلہ کے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسانی کے ہادی و رہنما بنا کر بھیجے گئے تھے۔

● قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف - ۴ : ۱۵۸)

ترجمہ: اے محمد! کہو کہ "اے انسانو، میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین و آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔"

● وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا - ۲۴ : ۲۸)

ترجمہ: اور (اے نبی) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

● وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء - ۲۱ : ۱۰۷)

ترجمہ: اے نبی، ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

چونکہ اسلام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا آخری دین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت خاتم النبیین کی ہے اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے اور یہ ملت بھی جس پر شہادتِ حق کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، تا قیامت قائم رہنے والی ہے، اس لیے شہادتِ حق کا یہ فریضہ اب قیامت تک اسی کو انجام دینا ہے۔

فریضہ شہادتِ حق اور امر بالمعروف کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور حدیث سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ:

● من رآی منکم منکرًا فلیذره بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع

فقلبه ولیس وراى ذلك خردل من الایمان۔

ترجمہ: جو تم میں سے منکر دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل ڈالے، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اگر اس کی (بھی) طاقت نہ ہو تو دل سے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

غفلت کے نتائج

شہادتِ حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت کا اندازہ ان سنگین نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے جو قرآن و سنت میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان نتائج کی سنگینی کا اندازہ کرنے کے لیے قرآن کی بہت سی آیات ہیں۔ صرف درج ذیل آیات کو سامنے رکھنا کافی ہوگا:

● **وَسُئِلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعِدُونَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَأْتِيهِمْ جِيئَانَهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرْعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ** ○ **وَإِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اَللّٰهُ مَهْلِكُهُمْ اَوْ مَعْدِنَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعَذَرَةَ اِلٰى رَبِّكُمْ وَّلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ** ○ **فَلَقَا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ اُنْجِنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ وَاخِذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوا بِعَدَابٍ بَعْئِيْسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ** ○ **فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ** ○ **اعراف ۴: ۱۶۳-۱۶۶**

ترجمہ: اور ان سے ذرا اس بستی کا حال بھی پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ انھیں یاد دلاؤ وہ واقعہ کہ وہاں کے لوگ سبت (ہفتہ) کے دن احکامِ الہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں سبت ہی کے دن ابھر ابھر کر سطح پر ان کے سامنے آتی تھیں اور سبت کے سوا باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ یہ اس لیے ہوتا تھا کہ ہم ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے۔ اور انھیں یہ بھی یاد دلاؤ کہ جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا تھا کہ ”تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ بلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے۔“ تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ ”ہم یہ سب کچھ تمہارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں

اور شاید یہ لوگ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں۔“ آخر کار جب انہوں نے ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر دیا، جو انہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو بُرائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو، جو ظالم تھے، ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ پھر جب وہ پوری کشتی کے ساتھ وہی کام کیے چلے گئے جن سے انہیں روکا گیا تو ہم نے کہا کہ بندر ہو جاؤ۔“

ان آیات میں ایک ایسے گروہ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو اگرچہ خود برائیوں سے بچا ہوا تھا لیکن دوسروں کو اس میں مبتلا دیکھ کر ان سے روکنے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا بلکہ جو لوگ ان کو برائیوں سے روکنے کا فرض انجام دے رہے تھے ان کو بھی اپنے یا یوسانہ جذبہ کے تحت اس سے باز رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔

ان آیات میں احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کے عذاب میں مبتلا ہونے اور نصیحت کرنے والوں کی نجات کا صراحتاً ذکر کیا گیا ہے لیکن اس تیسرے گروہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ قطعیت سے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ گروہ مذکورہ بالا دونوں گروہوں میں سے کس میں شامل تھا۔ لیکن عام مفسرین کا غالب رجحان یہ ہے کہ بتلائے عذاب ہونے والوں میں یہ گروہ بھی شامل تھا کیوں کہ قرآن نے جب یہ صراحت کر دی ہے کہ نجات پانے والا گروہ وہی تھا جو قوم کو برائیوں سے باز رکھنے کے لیے کوشاں تھا (وانجیننا الذین ینہون عن السوء) تو اس سے خود بخود دینے نتیجہ نکلتا ہے کہ نجات پانے والوں میں وہ گروہ شامل نہیں سمجھا جائے گا جو اگرچہ خود برائیوں میں مبتلا نہ تھا مگر دوسروں کو برائیوں سے روکنے کے لیے کوئی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا اور ان کے اس خیال کی تائید قرآن کی اس مشہور آیت سے بھی ہوتی ہے :

● وَاتَّقُوا فِتْنَةً لِّأَلْبِيبِئِنَّ الذِّیْنَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ

شَدِيدُ الْعِقَابِ (انفال - ۸: ۲۵)

ترجمہ: اور بچو اس فتنہ سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہیں لوگوں تک محدود نہ رہے گی

جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس آیت میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ برائیاں جب و بارعام کی صورت اختیار کر لیتی ہیں تو ان کے اثرات و نتائج صرف بُرے لوگوں تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ وہ لوگ بھی جو برائیوں پر روک ٹوک نہیں کرتے، وہ عملاً ان برائیوں میں ملوث نہ ہونے کے باوجود ان کی زد میں آجاتے ہیں۔

اور اس کی مزید تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ :

ان اللہ لا يعذب العامة بعمل الخاصة حتى يروا المنكرين ظهرا بينهم وهم قادرون على ان ينكروا فلا ينكروا فاذا فعلوا ذلك عذب الله الخاصة والعامة
ترجمہ : یعنی اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے جرائم پر عام لوگوں کو سزا نہیں دیتا، جب تک عامۃ الناس کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے بُرے کام ہوتے دیکھیں اور وہ ان کاموں کے خلاف اظہار ناراضی کرنے پر قادر ہوں، اور پھر کوئی اظہار ناراضی نہ کریں پس جب لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے تو اللہ خاص و عام سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے“

اور یہ بعینہ وہی بات ہے جس کی طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

تم لوگ یہ آیت پڑھتے ہو : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَضُرُّكُمْ
مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَىٰ (آیۃ (مائدہ - ۵ : ۱۰۵)

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ برائی کو دیکھیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں اور ظالم کو ظالم کرتے ہوئے پائیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو بعینہ نہیں کہ اللہ اپنے عذاب میں سب کو لپیٹ لے۔ خدا کی قسم تم کو لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو ورنہ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تم میں سب سے بدتر ہوں گے، تم کو سخت تکلیفیں پہنچائیں گے

پھر تمھارے نیک لوگ خدا سے دعائیں مانگیں گے۔ اور وہ قبول نہ ہوں گی ۛ

حضرت ابو بکرؓ نے اپنے اس خطبہ میں سورہ مائدہ کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے اس سے اس زمانہ میں، خاص طور سے بہت سے لوگ غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنی فکر کرنی چاہیے اور دوسروں کی ہدایت و ضلالت ہمارے لیے چنداں قابل توجہ نہیں ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اپنی اصلاح و تربیت تو یقیناً دوسروں کی اصلاح پر مقدم ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کی ہدایت و ضلالت ہمارے لیے قابل توجہ نہیں ہے۔ اول تو یہ بات مسلمانوں کے فرض منصبی سے بھی میل نہیں کھاتی جس کی اہمیت و فرضیت قرآن و سنت سے پوری طرح واضح ہے اور جس کا کچھ حصہ آپ کے سامنے پیش بھی کیا جا چکا ہے۔ دوسرے اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کرنا سراسر بے محل بات ہے کیوں کہ اس کا سیاق و سباق یہ واضح کر رہا ہے کہ اس آیت کے ذریعہ درحقیقت صحابہ کرام کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر تمھاری ہر طرح کی کوششوں کے باوجود کفار تمھاری باتوں کی طرف دھیان نہیں دے رہے ہیں، تو جب تم نے اپنا فرض بخوبی انجام دے دیا ہے تو اب ان کے کفر و ایمان کی کوئی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوتی، اور نہ اس بارے میں تم سے کوئی پرسش ہوگی۔ وہ دراصل ان کے اپنے فساد مزاج کا نتیجہ ہے اور وہ خود اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں۔

شہادتِ حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت و اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس ملک میں رہنے والے مسلمانوں کو خاص طور سے اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہاں کے باشندوں کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں اور ہم کس طرح اور کہاں تک ان سے عہدہ برآہور ہے ہیں۔

یورپ میں جب نشاہ ثانیہ کا آغاز ہوا تو خود کلیسا کے غلط عمل کے خلاف رد عمل کے طور پر نہ صرف یہ کہ عیسائی مذہب سے عملی بُعد پیدا ہوا بلکہ سرے سے دین ہی سے نفرت پیدا ہو گئی، اور اس نے عقلیت پرستی کے دامن میں پناہ ڈھونڈ لی جس کے نتیجے میں مادہ پرستانہ اور ملحدانہ تہذیب

تمدن وجود پذیر ہوا اور اگر یہاں کی ایک قلیل آبادی پر دین و مذہب کا کچھ اثر باقی بھی رہا تو وہ تمام تر ایک مسخ شدہ محرف دین مسیحی کے زیر اثر ہے جس میں بہت سے تاریخی عوامل کی بنا پر ایسے عقائد و مزعومات بھی داخل ہو گئے ہیں جو حقیقی دین الہی کے بالکل منافی اور اس کے صحیح اثرات کو نیست و نابود کر دینے والے ہیں۔ مثلاً توحید کے ساتھ شرک اور عقیدہ آخرت کے ساتھ کفارہ کا عقیدہ، نیز اپنے مذہب ہی پیشواؤں کو وہ مقام عطا کرنا جو خدا ہی کو زیب دیتا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر امت مسلمہ کے جو افراد یہاں عارضی یا مستقل طور سے مقیم ہیں اور ان پر اس سلسلہ میں خصوصیت سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیا وہ نظر انداز کیے جانے کے قابل ہے؟ جب کہ ایک طرف ہم یحیثیت مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اہل یورپ کے اس صورت حال میں مبتلا ہونے کی اصل وجہ یہی رہی ہے کہ صحیح دین اسلام کی روشنی ان تک نہیں پہنچ سکی تھی، اور وہ جس حال میں ہیں اس سے ان کے نجات پانے کی اصل راہ اسلام ہی ہے اور دوسری طرف شہادت حق کی ذمہ داری اتنی سخت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کا احساس اس درجہ شدید تھا اور اس کا حق ادا کرنے کے لیے آپ کے شب و روز اس طرح گزر رہے تھے کہ خود اللہ تعالیٰ کو یہ نصیحت کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ:

● فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ○ (کہف - ۶:۱۸)

ترجمہ: اچھا، تو اسے نبی، شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔

اسی احساس ذمہ داری ہی کا یہ اثر تھا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جب آپ کی فرمائش پر سورہ نسا کی آیتوں کی تلاوت شروع کی تو وہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں اس آیت پر پہنچا:

● فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ

شَهِيدًا ○ (سورہ نسا - ۴:۴۱)

ترجمہ: پھر سوچو کہ یہ اس وقت کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔
تو آپ نے فرمایا: ”بس، کافی ہے۔“ اور میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

یورپ میں دعوت دین کی اہمیت

یورپ میں دعوت دین کے موضوع پر غور و خوض کرتے ہوئے ہمیں خصوصیت کے ساتھ یورپ کے اس مرتبہ و مقام کو بھی اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے جس پر وہ اس وقت فائز ہے۔ یہ بات ہماری ذمہ داری کو اور نازک بنا دیتی ہے کیونکہ جو قومیں فکری امامت اور عملی قیادت کا مقام رکھتی ہوں ان کا بگاڑ بھی اور ان کا سدھار بھی عالمگیر ہوتا ہے۔ اور اگر اس بگاڑ میں ہماری غفلت بھی شامل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ یہ غفلت سخت باز پرس کے لائق ہوگی۔ اور اگر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسلام سے یورپ کا بعد خود اہل مغرب کے لیے اور مسلمانوں کے لیے کس قدر نقصان دہ رہا ہے اور ہے، اور اگر یہ بعد دور ہو جائے اور وہ قریب ہو کر اسلام کو اچھی طرح سمجھنے لگیں تو اس سے کیا کیا فوائد و برکات ظہور میں آئیں گے، تو ہمارے لیے سب سے زیادہ توجہ کے لائق یہی بات بن جائیگی۔ اس مجلس میں مسئلہ کے اس پہلو پر کسی تفصیلی گفتگو کی مجھے مطلق کوئی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی ہے کیونکہ ان دونوں باتوں کا اندازہ آپ حضرات، جو مغرب کے عین قلب میں مقیم ہیں، مجھ سے زیادہ بہتر طور سے کر سکتے ہیں۔ البتہ سرسری طور سے یہاں اس کا تذکرہ کر دینا غالباً نامناسب نہ ہو گا کہ یورپ کو اس کا موجودہ مقام کس طرح حاصل ہوا ہے اور کیوں ہم اس حالت کو پہنچے ہیں کہ وہ ہمارے لیے گوناگوں خطرات و مصائب کا موجب بن رہا ہے؟

ہمارا ایک دور ضرور ایسا تھا کہ دنیا کی سیادت و قیادت ہمارے ہاتھوں میں تھی۔ لیکن بد قسمتی سے یہ دور سعید بغداد میں قائم و برقرار نہیں رہ سکا جس کی سبب بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس دور میں ہمیں جو مادی پہلوئیں حاصل ہوئی تھیں، بس ان سے متمتع ہونے ہی میں ہم منہمک رہے اور بحیثیت

امت مسلمہ ہم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں ان سے ہم بالکل غافل رہے۔ اس کے برعکس یورپ نے خود ہم سے جو سیکھا تھا اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی طرف خصوصی توجہ کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے میدانوں میں ہم کو پیچھے چھوڑ آگے نکل گیا۔ اس کے برعکس ہم نے اپنی غفلت یا ناقص اور محدود دینی تصورات کے دائرہ میں محصور ہو کر ان علوم و فنون کو کچھ زیادہ لائق اعتناء نہیں سمجھا جس کے نتیجے میں ہم سیاسی میدان میں بھی ان سے شکست کھا گئے اور بہت سے مسلم ممالک ان کے غلام ہو گئے اور اس سیاسی غلبہ و تسلط کا خمیازہ اسلام اور مسلمانوں کو مختلف شکلوں میں بھگتنا پڑا۔ اور اگرچہ جنگ عظیم ثانی اور کچھ دیگر عوامل کے نتیجے میں مغرب کی سب سے بڑی طاقت برطانیہ — جس کی قلمرو میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا — ایک تیسرے درجہ کی طاقت بن گئی ہے، اور اس کا وہ دبدبہ وطنہ بھی باقی نہیں رہ گیا جو اس جنگ سے پہلے اسے حاصل تھا، لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اہل یورپ کے سیاسی غلبہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی ہمارے بہت سے مسلم ممالک جو براہ راست ان کی غلامی میں تھے یا نہ تھے، اب بھی ایک طرح سے ان کی ذہنی غلامی ہی میں مبتلا ہیں، اور ان کی مادہ پرستانہ تہذیب و تمدن کا تقریباً ہر جگہ غلبہ ہے جس سے ہماری اجتماعی و انفرادی زندگی کے سارے گوشے بری طرح متاثر ہو رہے ہیں، حتیٰ کہ ہمارے گھروں کی چہار دیواریاں بھی ان کے اثرات بد سے محفوظ نہیں ہیں۔

مغربی تہذیب و تمدن جن افکار و نظریات پر قائم ہے وہ یقیناً خود اہل یورپ کے لیے بھی مختلف حیثیتوں سے تباہ کن ثابت ہو رہا ہے جس کا احساس خود ان کے اہل فکر و نظر کو کبھی ہونے لگا ہے، لیکن اس کا صحیح مداو کیا ہو سکتا ہے؟ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کا صحیح حل اسلام ہی ہے کیونکہ یورپ کی تمام خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ اہل کلیسا کی حاکمیت اور ناعاقبت اندیشیوں کا رد عمل یہ ہوا کہ اہل یورپ نفس مذہب ہی سے بیزار ہو گئے اور زندگی کا طور طریق متعین کرنے میں انہوں نے صرف عقل کی رہنمائی کو کافی سمجھا ہے، حالانکہ زندگی کے بہت سارے اہم

اور بنیادی سوالات ایسے ہیں جن کا جواب دینے سے عقل قاصر ہے اور جن کو حل کیے بغیر زندگی کی گتھی سلجھائی نہیں جاسکتی، اور یہ گتھی وحی و رسالت کی رہنمائی میں سلجھ سکتی ہے — اور یہ حقیقت تجربات کی روشنی میں اب روز بروز روشن سے روشن تر ہوتی جا رہی ہے۔

غرض، یورپ اس وقت جس ظلمت میں گھرا ہوا ہے اس میں خود ہماری اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس لیے ہمیں اس کی تلافی کی طرف خصوصی توجہ دینی ہوگی اور ایسا کر کے ہم اپنا ایک فرض ہی نہیں ادا کریں گے بلکہ اہل یورپ کے ساتھ ہماری ہمدردی اور خیر خواہی کا بھی تقاضا ہے کہ ان کو اس اندھیرے سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لائیں۔

مغرب میں دعوت اسلام کے مواقع

اسلام دین فطرت اور انسانی مزاج کے موافق تو ہے ہی، ساتھ ہی اس کی کچھ اور خصوصیات بھی ہیں جن کی بنا پر اس میں ہر ملک و قوم کے لوگوں کے یکے کوشش کا پورا پورا سامان ہے۔ مغرب میں دین کی دعوت اور اس کے فروغ کے لیے پہلے بھی کچھ کم امکانات نہ تھے مگر اللہ کا شکر ہے کہ اب کچھ ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں اور ہوتے جا رہے ہیں کہ اب اس بارے میں بہتر توقعات کی جاسکتی ہیں، بشرطیکہ ان حالات سے ہم پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنی ان کمزوریوں کو دور کرنے میں کامیاب ہو سکیں جو اسلام کو پیش کرنے میں ہمیشہ رکاوٹ بنتی رہتی ہیں :

۱۔ مغرب میں دعوت اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ نفرت اور تعصب ہے جو خاص طور سے صلیبی جنگوں کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اہل مغرب کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا اور اس کو قائم و برقرار رکھنے بلکہ اسے اور زیادہ بڑھانے کے لیے کچھ دوسرے اسباب و محرکات بھی برابر موجود رہے ہیں۔ مثلاً اس کو بڑھاوا دینے کے لیے مستشرقین کا ایک گروہ پیدا کیا گیا تھا جو علم و تحقیق کے پاکیزہ عنوان سے اسلام کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کرتا رہا۔

یہ نفرت و تعصب کا جذبہ ابھی بالکل یہ تو ختم نہیں ہو سکا ہے اور نہ اس کی توقع کی جاسکتی ہے کیونکہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ صلیبی جنگوں کے بعد عرصہ دراز تک اسلام کے خلاف جو غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈہ اور الزام تراشیاں ہوتی رہی ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے نقوش کو گھناؤنا بنا کر پیش کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں اب وہ کسی نہ کسی حد تک مدہم پڑ گئی ہیں، کیونکہ اول تو بعد کے زمانوں میں ہمارے ادبار و زوال نے ان کے لیے موقع فراہم کر دیا کہ وہ عالم اسلام کے بہت بڑے حصہ کو اپنے قدموں سے روند کر کچھ تشفی حاصل کریں اور انھیں یہ حاصل بھی ہوئی۔ چنانچہ مشہور بات ہے کہ دسمبر ۱۹۱۴ء میں جب برطانوی فوجیں بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئیں تو اس کے سپہ سالار الین بی (ALLENBY) نے بے قابو ہو کر کہا تھا:

”صلیبی جنگوں کا ہم نے انتقام لے لیا۔“

اسی طرح ۱۹۲۰ء میں فرانسیسی کمانڈر کوراڈ جب دمشق میں فاتحانہ داخل ہوا تو صلاح الدین ایوبی کے مقبرہ کے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی اور غرور و تمکنت کے لہجہ میں پکارا:

”صلاح الدین! سنو، ہم پھر آگئے۔“

دوسرے، اب اس وقت سے زمانہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ تحقیق کے ذرائع و وسائل میں بھی خاصا اضافہ ہوا ہے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ بھی روز بروز مائل بہ ترقی ہے اور اسی کے ساتھ اپنے دور ظلمت میں اہل یورپ اپنے فکر و خیال کے لحاظ سے جس پستی میں مبتلا رہے ہیں، انسانی شعور و احساس کے ارتقار کے ساتھ قدرتی طور پر اس میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اگر پہلے زمانوں میں حالات و مسائل اس کے متقاضی تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور تعصب کو بڑھا دیا جائے تو پچھلے دنوں دنیا کے نقشہ میں جو عظیم تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہ اس کی متقاضی ہیں کہ اب تعصب و نفرت کو ہوا دینے یا نمایاں

کمرنے کے بجائے ان پر حتی الوسع پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے اور ضرورت کا تقاضا ہو تو اس کے برعکس رواداری اور مصالحت پرستی سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے یا کم از کم اس کا مظاہرہ کیا جائے۔

بہت سے مسلم ممالک جو پہلے ان کی زنجیر غلامی میں جکڑے ہوئے تھے، وہ جنگِ عظیم کے بعد غلامی کی زنجیریں توڑ کر سیاسی حیثیت سے آزاد و خود مختار ہو چکے ہیں اور اس وقت تقریباً پچاس مسلم ممالک باقاعدہ اقوام متحدہ کے ممبر ہیں اور خوش قسمتی سے بہت سے مسلم ممالک ایسے وسائل و ذرائع سے مالا مال ہیں جو اہل مغرب کے لیے باعثِ کشش اور موجبِ خوف بھی ہیں۔ اس صورت حال کا بھی اسلام اور مسلمانوں کے سلسلہ میں ان کے رویہ کی تبدیلی پر خاصا اثر پڑا ہے۔ اور بحیثیتِ مجموعی، ان سب باتوں کا ایک نتیجہ اس شکل میں بھی برآمد ہونے لگا ہے کہ مستشرقین کا طبقہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات بھڑکانے میں پیش پیش تھا، اب خود اس کے رویہ میں یہ تبدیلی ہوئی ہے کہ انہی میں سے کچھ ایسے لوگ بھی سامنے آ رہے ہیں جو خود اپنے گروہ کے محققین کی بے تحقیق باتوں کی علانیہ تردید اور ساتھ ہی اس پر اپنے افسوس اور شرمندگی کا برملا اعلان و اظہار کر رہے ہیں۔ اور ان میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گذشتہ نصف صدی میں اسلام کے تعارف کے سلسلہ میں ایک ایسا جامع اور موثر لٹریچر وجود میں آچکا ہے جس نے مسلمانوں اور بالخصوص نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام سے عملی وابستگی اور اس کو لے کر آگے بڑھنے کا ایک زبردست داعیہ اور حوصلہ پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ دنیا کے مختلف ملکوں میں متعدد اسلامی تحریکات مختلف ناموں سے وجود میں آچکی ہیں، جن کی عملی سرگرمیاں محسوس طریقے سے اپنا اثر دکھلا رہی ہیں، اور ان سے دنیا کے مختلف حصوں میں چھوٹی بڑی بہت سی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئی ہیں اور ہوتی جا رہی ہیں۔

۲۔ موجودہ مادہ پرستانہ تہذیب جس کا اب تک یورپ دلدادہ رہا ہے اب اس کے فطری

افسوسناک نتائج کھل کر سامنے آتے جا رہے ہیں۔ یورپ اس وقت جس اخلاقی بحران کا شکار ہے وہ تمام تر اسی نظام کا ایک فطری نتیجہ ہیں۔ معیشت و سیاست کے میدانوں میں بھی وہ جن مسائل و مشکلات سے دوچار ہے وہ بھی اسی کی پیداوار ہیں۔ یورپ کی معاشرتی زندگی بھی انتشار اور ابتری کا شکار ہے۔ خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے، ماں باپ اور قریبی رشتے دار ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو چکے ہیں، طلاقوں اور ناجائز اولاد کی کثرت وغیرہ — یہ سب مسائل ان کے سمجھ دار طبقہ کے لیے تردد اور تشویش کے موجب ہیں اور انھیں کچھ سوچنے اور ان کا مناسب حل نکالنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ لیکن ہمیں اس بارے میں مبالغہ آمیز خوش فہمی سے بہر حال بچنا چاہیے اور اس کو کسی بڑے اور فوری انقلاب کا پیش خیمہ سمجھنا تو یقیناً ایک انتہائی سادہ لوحی کی بات ہوگی، کیونکہ موجودہ تہذیب اور نظام کی مدح سرائی عرصہ دراز سے کچھ اس طرح ہوتی رہی ہے اور اس کو مقبول بنانے کے لیے ایسے وسائل و ذرائع سے کام لیا جاتا رہا ہے کہ اس کے اثرات ذہن و دماغ اور عمل و کردار میں پوری طرح جاگزیں ہو چکے ہیں۔

۳۔ یورپ کو اس وقت جو مادی خوشحالی حاصل ہے اس سے لوگوں کی مادی ضرورتیں یقیناً بہت اچھی طرح پوری ہو رہی ہیں اور یہ بہتوں کے لیے موجب اطمینان بھی ہے۔ لیکن ایک باشعور اور سمجھ دار انسان کی تسکین کے لیے صرف مادی سہولتیں ہی موجب تسکین نہیں ہو سکتیں کیونکہ انسان نہ ایک معاشی حیوان ہی نہیں بلکہ وہ ایک ذی شعور وجود ہے جس کی فطرت میں نیک و بد کی تمیز اور احساس کے ساتھ خیر کی طلب اور شر سے بچنے کا جذبہ و داعیہ بھی پایا جاتا ہے۔ اور اس جذبہ کی تسکین صرف مادی سروسامان کی کثرت اور فراخی و خوشحالی سے نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو چکا ہے جو اپنی قلبی بے اطمینانی کو محذرات و منشیات کے ذریعہ رفع کرنا چاہتا ہے اور یہ طبقہ دن بہ دن بڑھتا اور پھیلتا ہی جا رہا ہے، لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہ پریشانیوں کا کوئی سہل نہیں ہے بلکہ عقل و شعور کو جو مخلوق میں انسانوں کا طرہ امتیاز ہے، سرے سے بیکار کر دینے کے ہم معنی ہے۔ اور عیسائیت بھی ان کے موجودہ اضطراب و بے چینی کا کوئی

مدا انہیں کر سکتی کیونکہ وہ تضادات کا مجموعہ ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی جامع نظام زندگی بھی پیش کرنے سے قاصر ہے، اور یہی بات جیسا کہ گذر چکا ہے عیسائیت سے ان کی بے تعلقی اور اس کے بعد بے دینی کی راہ پر چل پڑنے کا سب سے بڑا باعث ہے۔

یورپ میں دعوت اسلامی کے فروغ اور کامیابی کے اتنے اچھے مواقع کے ہوتے ہوئے جو تاریخ میں پہلی بار پیدا ہوئے ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش نہ کرنا یقیناً ہماری زبردست غفلت قرار پائے گی اور عند اللہ ہم اس پر سخت باز پرس کے سزاوار ہوں گے۔ ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کی ذمہ داری یوں تو پوری امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے لیکن وہ مسلمان جو یہاں مقیم اور آباد ہیں، انہیں اپنے کو خاص طور سے اس کا ذمہ دار سمجھنا چاہیے، کیونکہ ہر مسلمان اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو اسلام کی دعوت سے روشناس کرانے اور اپنے قریبی ماحول کی حالت کو درست کرنے کا دوسروں سے زیادہ مکلف ہوتا ہے اور دعوت اسلامی کے حق میں اسے ایک فال نیک ہی سمجھنا چاہیے کہ ایک محتاط اندازہ کے مطابق اس وقت مغربی ممالک میں کم و بیش ستر لاکھ مسلمان سکونت پذیر ہیں، جن میں سے اکثر لوگوں نے ان ملکوں کی، جہاں وہ رہتے ہیں، شہریت بھی حاصل کر رکھی ہے اور ان کی بہت بڑی تعداد برطانیہ میں بھی مقیم ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں سے بیشتر لوگ زیادہ تر اپنی کسی نہ کسی دنیاوی غرض، مثلاً ملازمت، تجارت اور تعلیم وغیرہ کے لیے آئے ہوئے ہیں، لیکن مسلمان جہاں بھی اور جس حال میں بھی رہے وہ اس فرض سے مستثنیٰ یا سبکدوش نہیں ہو سکتا جو اسلام نے ہر مسلمان پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلہ میں عائد کیے ہیں۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک کو یہاں صلاً اپنے کو اسلام کا سفیر ہی سمجھنا چاہیے اور اپنی اپنی ذاتی مصروفیات کے ساتھ اپنا کچھ وقت لازماً اپنے اس فرض کی ادائیگی کے لیے بھی مختص کرنا چاہیے۔ غالباً یہ محض کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ اس وقت اتنی بڑی تعداد میں مسلمان ان مغربی ملکوں میں مقیم ہیں، اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، یہ اللہ کی مشیت ہی کے تحت ہو رہا ہے اور اس میں اس کی

کوئی بہت بڑی مصلحت کار فرما ہے۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طور سے اسلام کو اور اسلام کے ذریعہ یورپ کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے اور خوشی کی بات ہے کہ یہاں مقیم مسلمان عام طور سے اپنی ذمہ داریوں کے احساس سے غافل نہیں ہیں۔ اسے ایک طرح سے ان کے احساسِ ذمہ داری ہی کا ثمرہ اور نتیجہ سمجھنا چاہیے کہ اس وقت مغرب میں مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے بہت سے دعوتی مراکز وجود میں آگئے ہیں جو اپنے اپنے طریقوں اور اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق مفید خدمات انجام دے رہے ہیں جن میں ایک یہ یو۔ کے اسلامک مشن بھی ہے جس کے زیر اہتمام یہ کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جو بجائے خود اس کی دعوتی سرگرمیوں ہی کا ایک جز ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو شرف قبول عطا فرمائے اور ان سے بہترین نتائج برآمد ہوں۔

مغرب میں دعوتِ اسلام اور اس کا طریقہ کار

مغرب میں دعوتِ اسلام کے فروغ اور کامیابی کے لیے جو موافق اور سازگار حالات پیدا ہو چکے ہیں، ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جائے اور اس کے لیے ہمیں کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہوگی یہ ایک نہایت اہم اور غور طلب مسئلہ ہے جس پر ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔ مگر مجھے یہاں اس موضوع پر کسی تفصیلی اظہار خیال کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ یہ مسئلہ پہلے ہی سے آپ حضرات اور بالخصوص ان لوگوں کے پیش نظر ضرور رہا ہوگا جو یہاں دعوت و تبلیغ کے کام سے دلچسپی رکھتے اور اپنا کچھ وقت بھی صرف کر رہے ہیں اور یقیناً انہوں نے اس سے بہت کچھ قیمتی تجربات بھی حاصل کیے ہوں گے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ دعوت کے میدان میں کام کرنے سے جو عملی تجربات حاصل ہوتے ہیں وہی اس کام کو بہتر طور سے انجام دینے کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد ہو سکتے ہیں، کیونکہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، دعوتِ دین کا کوئی ایک ہی لگانا ہوا طریقہ نہیں ہے جس کو ہر جگہ اختیار

گمراہ ضروری ہو، بلکہ اس میں ہر ملک اور مقام کے مخصوص حالات و ظروف اور مخاطبین کے مزاج و استعداد وغیرہ کے پیش نظر مناسب طریقے اختیار کرنے کی کافی گنجائش ہے اور یہ ہر جگہ کے مقامی کارکنوں کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ ان کے حسب حال کوئی مناسب طریقہ اختیار کریں۔ لیکن جہاں دعوتِ دین کے طریقے میں یہ گنجائش پائی جاتی ہے وہیں اس کلیہ پہلو بھی خاص طور سے اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کے کچھ بنیادی نکات ہیں جو کسی جگہ اور کسی حال میں بھی نظر انداز یا نظروں سے اوجھل نہیں ہونے چاہئیں ورنہ دعوت کے نتائج کچھ پہلوؤں سے خواہ کتنے ہی وقیع اور شاندار کیوں نہ ہوں، وہ اپنے اصل مقصد کے لحاظ سے بے سود قرار پائیں گے اور اگر یہ بے شعوری کا نتیجہ نہ ہو بلکہ خدا نخواستہ کسی پہلو سے اس میں مداخلت کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہو یا مخاطبین کی رعایت یا حالات کے ساتھ سازگاری پیدا کرنے کا جذبہ اپنے جائز حدود سے تجاوز کر جائے تو دین کا صحیح تصور لوگوں کے سامنے نہیں آسکے گا، اور ہم ایک طرح سے دین کا حلیہ بگاڑنے کے ملزم قرار پا سکتے ہیں جو عند اللہ سخت مواخذہ کی بات ہوگی۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیات کو سامنے رکھنا کافی ہو گا جن میں خاص طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے:

● وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتَنُوكَ عَنِ الدِّمِيِّ أَوْ مِمَّنَّا إِنَّكَ لَتَفْتَرِي عَلَيْنَا غَيْرَةً وَإِذْ آلَا تَتَّخِذُ وَاكْ خَلِيلًا ۚ وَلَوْ لَا أَنْ تَبْتَنَّنَا لَقَدْ كِدْتَ تَرْتَكُنَ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذَا آذَقْنَاكَ ضَعْفَ الْحَيَاةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۷-۱۶-۱۵)

ترجمہ: اے نبی! ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ تمہیں فتنہ میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے، اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا۔ پھر ہمارے مقابل میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔

اس سلسلہ کی کوتاہیوں میں بسا اوقات مخالفین کی طرف سے پیش آنے والی مخالفتوں کو بیجا اہمیت دینے کا بھی کچھ دخل ہوا کرتا ہے چنانچہ اسی بنا پر اس طرح کی آیات میں ان تنبیہات کے ساتھ اللہ پر توکل اور اعتماد کی بھی تلقین کی گئی ہے :

● يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ
وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ○ (مائدہ - ۵ : ۶۷)

ترجمہ : اے پیغمبر، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔
اور سورہ احزاب میں فرمایا گیا۔

● يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ○
وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ
بِاللَّهِ وَكِيلًا ○ (احزاب - ۳۳ : ۱-۳)

ترجمہ : اے نبی اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو۔ حقیقت میں علیم اور حکیم تو اللہ ہی ہے۔ پیروی کرو اس بات کی جس کا اشارہ تمہارے رب کی طرف سے کیا جا رہا ہے، اللہ ہر اس بات سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اللہ پر توکل کرو، اللہ ہی وکیل ہونے کے لیے کافی ہے۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ

قرآن و سنت کے مطالعہ سے یہ بخوبی واضح ہے کہ اسلام کی اساس ایمان باللہ ہے جس کو دل سے ماننے بغیر کوئی شخص مسلمان تسلیم ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ایمان باللہ میں ایمان بالرسالت اور ایمان ہیوم الحجہ ابھی داخل ہے، کیونکہ یہ ایمان باللہ کے لازمی تقاضے ہیں اور یہ دونوں چیزیں اس کی شاخ اور برگ و بار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایمان باللہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کائنات انسان سمیت اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے اور انسانوں کی حیثیت اس کے مخلوق اور بندے کی ہے، اس لیے اس کے سوا اور کوئی بھی رو بہ اس کے لیے صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کو

اپنا رب خالق، مالک اور آقا تسلیم کرتے ہوئے اس کی بندگی اور اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت کرے اور اس کے سوا کسی کو بھی اپنا مالک آقا اور فرماں روا تسلیم نہ کرے۔
پورا قرآن اسی کی دعوت سے بھرا ہوا ہے اور قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اسی کی دعوت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ مختلف ملکوں، قوموں اور زبانوں میں اپنے پیغمبر بھیجتا رہا۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے:

● مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ○

(انبیاء - ۲۱ : ۲۵)

ترجمہ: ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

● وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل: ۱۹)

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا۔ اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی خاص اسی غرض سے تھی کہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیں:

قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مآبُ (الرعد: ۱۱۳)

ترجمہ: تم صاف کہہ دو کہ مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں۔ لہذا میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

ایمان بالرسالت کا مطلب یہ ہے کہ زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ انسان صرف اپنی عقل کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتا، اس لیے ناگزیر ہے کہ اللہ نے اس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جو پیغمبر بھیجے ہیں وہ ان کے لئے ہوئے اس طریقہ زندگی کی پوری پوری پیروی کرے جو رب کائنات